درس نمبر 33

دروس سلوک وتصوف

صاحبزادہ مسکین فیض الرحمٰن درانی
مرکزی امیر تحریک منہاج القرآن انٹرنیشنل

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے دور تک جلیل القدر پیغمبر دنیا میں اصلاح احوال کے لئے آتے رہے۔ سیدنا آدم علیہ السلام کو 930 سال عمر نصیب ہوئی۔ قرآن مجید فرقان حمید میں حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر پچیس سورتوں میں پچیس مرتبہ آیا ہے، قرآن مجید میں تذکار انبیاء کے ذیل میں سب سے پہلے آپ کا ذکر ہوا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو بارگاہ ربانی سے علم کی عطاء خصوصی پر مخلوقات الہٰیہ میں بلند مقام ملا، زمین پر ھبوط آدم کے بعد بھی حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے انعامات اور فیوضات کا سلسلہ جاری رہا، حضرت آدم علیہ السلام کو نبوت ملی، اور دنیا میں اللہ جل مجدہٗ کی پسند کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے اللہ کا پسندیدہ دین ''اسلام'' مرحمت ہوا۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ. ''بے شک دین تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے''۔ (آل عمران: ١٩)

اللہ کے احکام کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے، اپنے آپ کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے ڈال دینے، اپنے آپ کو کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے سپرد کردینے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توحید پر ایمان کو اپنے اعمال وسلوک میں ڈھال دینے کو اسلام کہتے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کے بعد جتنے انبیاء، رسل اور پیغمبر علیہم السلام اجمعین آئے، اپنے زمانوں اور ادوار میں سب اسی دین پر کاربند رہے، انہوں نے دنیا کے لوگوں کو اسلام کے خاص طرز حیات کو اپنانے کی تبلیغ فرمائی، سب انبیاء و رسل یہی دین لے کر آئے، لیکن اُس پر عمل کرنے کے لئے شریعت کا نفاذ صرف اسی قدر ہوا، جو اس زمانہ کے مطابق اللہ سبحانہ کا حکم تھا، جامع و اکمل دین جو خاتم الانبیاء نبی محتشم ﷺ لائے، وہ دائمی وحتمی شریعت محمدی کا نظام مصطفیٰ ہے، جو ہر لحاظ اور ہر پہلو سے ایک مکمل اسلامی طرز زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. ''(محبوب مکرم ﷺ، آپ کے لئے بشارت ہے) آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کردیا ہے اور آپ ﷺ پر ہر

نعمت پوری کردی (دنیا والوں کے لئے اب قیامت تک میری سب سے بڑی نعمت قرآن مجید، آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ، آپ کی شریعت اور آپ کا رائج نظام حیات ہے، رہتی دنیا تک عالم اسلام اور ساری دنیا کے لئے یہی واحد مشعل ہدایت ہے اور محبوب ﷺ) میں نے تمہارے واسطے اسلام کو بطور دین کے پسند کرلیا''۔ **(المائدہ:۳)**

قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان آنے والے جن پیغمبروں کا تذکرہ ہوا ہے، ان میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام زیادہ مشہور و معروف ہیں، ان کے اقوام و ملل کی داستانیں باعث عبرت ہیں۔ اہل سلوک و طریقت کے لئے ان کا مطالعہ، ان کے اساطیر و واقعات سے اسباق نصیحت حاصل کرنا، ان میں رائج بری باتوں اور ان برے اعمال و اخلاق سے اپنے آپ کو بچانا بہت ضروری ہے کہ جن کی وجہ سے ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور وہ تباہ ہوگئے، پیغمبرانہ ہدایت کے مطابق زندگی گزارنے سے جن اقوام کو عروج ملا اور عزت نصیب ہوئی، ان کے اچھے اخلاق اور اعمال کو اپنانا زندگی کے حسن میں اضافہ کے مترادف ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے کے واقعات میں اہل طریقت کے لئے سب سے اہم نصیحت ''علم کا حصول، اس کی فضیلت اور اہمیت'' ہے۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے ''عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّھَا'' فرما کر حضرت آدم علیہ السلام کو صفت علم سے اس طرح نوازا کہ فرشتوں کے لئے بھی ان کی استحقاق خلافت کے اقرار کے سوا چارہ نہ رہا۔ سلوک و تصوف میں دلچسپی رکھنے والے مبتدی صوفیاء کے لئے اس خاص نکتہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے، چونکہ صوفیاء کی زندگی عام انسانوں کی زندگی سے کچھ اس طور مختلف ہوتی ہے کہ وہ ایک خاص ضابطہ اور مسلک کے تحت منظّم و منضبط ہوتی ہے، ان کی پوری زندگی احکام الٰہی، شریعت محمدی اور اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کی پابند ہوتی ہے، اہل طریقت دوسرے لوگوں کی طرح آزاد نہیں ہوتے بلکہ اللہ کی ''ملازمت'' اور ''قید'' میں ہوتے ہیں، یہ لوگ اللہ کی محبت کے قیدی اور ''عشق نبی ﷺ'' کے اسیر ہوتے ہیں۔ سالکین راہ طریقت اللہ تعالیٰ اور نبی مکرم ﷺ کے سب سے زیادہ مطیع و فرمان بردار ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے واقعات و حالات سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی کامل بندگی، منشا ربانی کو سمجھ کر فرشتوں کا فوراً اپنی لاعلمی کا اعتراف کرنا، ابلیس جیسے عالم و فاضل ''جن'' کا، کہ جس کو فرشتوں کی معیت اور صحبت بھی نصیب تھی، اللہ جل شانہ کے فرمان کی حقیقت کو نہ سمجھنا، اور نافرمانی کرنے پر راندہ درگاہ ہونا، خلافت الٰہی کی عظیم نعمت کو حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے انبیاء اور رسولوں کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی امانت سمجھنا اور علم، حکمت، عدالت، عصمت، عفت اور شجاعت سے اس کی پاسداری

اور حفاظت کرنے کی ذمہ داری نبھانے کے واقعات و حالات سے سالک کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس اور آگہی ہوتی ہے۔ ہر وقت اللہ عزوجل سے طلب استغفار اور اس کے آگے توبہ کرنا اور ہمہ وقت نبی محتشم ﷺ کے قربت کی آرزو اور آپ ﷺ پر درود شریف پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب مکرم ﷺ پر رحمتوں کی ترسیل سے سالک کو اپنی انفرادی زندگی کو سنوارنے کا موقع ملتا ہے۔ سلاسل طریقت میں رائج اوراد و وظائف کی ترتیب کو اگر بنظر غائر دیکھیں تو اُس میں بھی تعلیم و تربیت کی ایک عظیم الشان ترتیب، تنظیم، تقدیم و تاخیر میں مطالب اور نظم (Decipline) کا ایک سمندر نظر آتا ہے۔ فرائض کی ادائیگی کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے محبوب ﷺ پر اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں التجائے ترسیلِ رحمت یعنی درود شریف کے ورد و وظیفہ سے زبان و قلب کو مصفٰی کرنا، اس کے بعد صاف زبان اور خلوص نیت سے بارگاہ الٰہی میں طلب استغفار یعنی گڑگڑا کر قلب و ذہن کی پوری توجہ، انہماک اور ارتکاز سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنا اور گناہ و معصیت سے تائب ہونے کے بعد رب ذوالجلال کی توحید اور نبی والا صفات ﷺ کی نبوت و رسالت کی خاتمیت نبوت کا اعلان و شہادت اور دل و زبان سے اس کی تصدیق کے لئے ”لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰه“ کا ورد اور ذکر کرنے پر غور کریں تو ان میں حقیقتوں کا ایک بحر ناپیدا کنار ہے، ایک ایسا سمندر، جو صرف دل بینا والوں کو ہی نظر آتا ہے۔ صوفیاء کی زندگی کے عمل کا یہ خاکہ ابتدائی اسباق تصوف کے طور پر شیخ کامل اپنے مرید کو ودیعت کرتا ہے۔ راہ طریقت کا سفر ان اسباق کے ورد، ان کی حقیقت کو سمجھنے کی جدوجہد اور ان پر خلوص نیت سے عمل سے ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کی عبادت یعنی ذکر، اسکی صفات پر غور و تفکر یعنی علم اور تسخیر آفاق و انفس یعنی حکمت کے حصول کے لئے جدوجہد اور امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت ہر دور کے نبی، پیغمبر، رسول، صحابی، ولی اور اہل تصوف کا فریضہ اول رہا ہے۔ عمل وسلوک کے اسی آئینہ میں ہر دور کے اہل طریقت اور مشائخ عظام اپنی انفرادی، اجتماعی اور قومی زندگی کے حسن و قبح کا عمیق نظری سے مشاہدہ، اس پر مسلسل سوچ و بچار اور اصلاح احوال کے لئے تدبیر و تعمیل کرتے رہے ہیں۔ وہ دنیا میں انسانی زندگی کو پاکیزہ، متصوف اور حسین بنانے کے لئے ہمہ وقت سرگرم عمل رہتے ہیں، تصوف کی زندگی اپنانے کی خواہش رکھنے والے حضرات کے لئے دروس سلوک و تصوف میں علم کی اہمیت، ضرورت اور اسکے حصول کی طرف جو بار بار ہم قارئین کو متوجہ کرتے رہتے ہیں اس کا مقصد اکابرین سلف کی سنت، تفکیر، تدبیر اور تعمیل پر عمل پیرا ہونے کی دعوت ہوتی ہے۔

ایک بہت ضروری امر یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ کسی شیخ، پیر، مربی، استاد اور معلم سے حاصل کئے گئے

اسباق، اوراد اور وظائف بے شک سود مند ہوتے ہیں، لیکن یہ اس وقت تک اپنا پورا اور حقیقی اثر ظاہر نہیں کرتے، جب تک کہ مرید اور متعلم کو ان کے اندر کی روح، حقیقت اور حکمت سے کماحقہٗ آگہی نہ ہو، حقیقت کا پانا مرشد کامل کے بغیر مشکل رہوتا ہے۔ یہاں ایک اور حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ کسی مرید کو اپنے حلقہ ارادت میں لینے سے پہلے پیر اور مرشد کے لئے بھی علم معرفت کا حصول بہت ضروری ہوتا ہے کیونکہ شیخ، پیر اور مربی جب تک خود باقاعدہ علم حاصل کر کے عالم و فاضل نہ ہو وہ مرشد اور مربی ہونے کا اہل نہیں ہوسکتا ہے، اس امر کا سمجھنا خاص کر ان صاحبزادگان، پیرزادگان اور سجادہ نشین حضرات کے لئے زیادہ ضروری ہے جو اپنے والدین کریمین اور بزرگوں کی وفات کے بعد صاحبان سجادہ کے شرف سے وراثتاً نوازے جاتے ہیں۔ کسی درگاہ یا خانقاہ کی سجادگی اور تولیت کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لینا بہت نازک امر ہوتا ہے، خانقاہی نظام بذاتہ ایک بہت بڑا اسلامی ادارہ ہوتا ہے۔ جو سلاسل طریقت کے جید علماء و مشائخ کے کردار، عمل، تقویٰ، پرہیزگاری، خدا خوفی، خدمت خلق، صلہ رحمی، امانت، علم، حکمت، دانائی، فراست مومنانہ اور تعلیم و تدریس اور تربیت کی روشنی میں متعینہ اصول وضوابط کے تحت چلانے کی اہلیت کا متقاضی ہوتا ہے۔ مُرید اپنے پیرو مرشد، متعلم اپنے استاد و مربی اور بیٹا اپنے باپ اور خاندان کا آئینہ صفات ہوتا ہے، جس طرح درخت کی پہچان اور اس کے فائدے کا اندازہ اس کے پھل سے ہوتا ہے، بعینہ اسی طرح پیرو مرشد کی پہچان اس کے زیرِ تربیت اور حلقہ ارادت سے فیض لینے والے ارادت مندوں اور مریدوں سے ہوتی ہے۔ لہذا علماء و مشائخ طریقت کی گدی پر رونق افروز ہونے سے پہلے سجادہ نشین، گدی نشین اور پیر بننے کی خواہش رکھنے والے حضرات کے لئے علوم ظاہری، علوم دینیہ اور علوم تصوف سے بہرہ ور ہونا ضروری ہوتا ہے، یہ اس لئے بھی ضروری ہوتا ہے کہ پیر صاحب کی پیروی کرنے والے لوگ فی الزمانہ اپنے پیر کے عقائد اور اعمال کی پیروی کو دین و مذہب سمجھتے ہیں، لہذا ان کی سنت اور ارشادات پر عمل کرنے والے مرید، اپنی زندگی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے جس سلوک وعمل کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ شریعت اور طریقت کے مطابق ہونا چاہئے۔ اس کے نیک و بد اثرات و نتائج کا اندراج پیر صاحب کے نامہ اعمال میں بھی ہوتا ہے۔ لہذا پیرو مربی کے لئے ضروری ہے کہ وہ علوم شریعت و طریقت سے کماحقہ آگاہ ہو۔

تصوف وطریقت کسی ایک آدھ عمل، وظیفہ یا کسی خاص سلوک کا نام نہیں ہے اور نہ ہی منزل سلوک کسی ایک خاص مقام سے عبارت ہے۔ جس طرح ایک انسان کی زندگی کسی کام یا بہت سارے کام کرنے کو نہیں کہتے

بلکہ پوری زندگی میں کرنے اور ہونے والے کاموں کے مجموعہ کو زندگی یا حیات کہا جاتا ہے۔ طریقت، سلوک و تصوف بھی لاکھوں کروڑوں، بے حدو شمار بلکہ لامتناہی (Infinite) حسین اعمال کا مجموعہ ہوتا ہے۔ مومن کی زندگی کا ہر لمحہ اور ساعت سلوک ہے، ہر نیک سلوک عبادت اور بدسلوکی کا ہر عمل آگ کے عذاب کی طرف لے جاتا ہے، ایسی آگ یا نار جس سے بچنے کے لئے نماز جیسی عظیم الشان عبادت کے آخر میں ''وَقِنَا عَذَابَ النَّارَ'' والی دعا مانگی جاتی ہے۔ رسول مکرم ﷺ نے دعا کو ''مخ العبادۃ'' یعنی عبادت کا مغز قرار دیا ہے۔

راہ طریقت پر گامزن سالک کی پوری زندگی ایک ''مسلسل سفر'' ہوتی ہے، پہلی سانس سے لے کر آخری سانس تک کا ''سلک'' یعنی سفر عملی سلوک ہے ایک صوفی اور عام شخص کے سانس لینے کے عمل میں بھی فرق ہوتا ہے، ہر انسان غیر محسوس طور پر ہر وقت سانس لیتا ہے عام آدمی کو یہ احساس نہیں ہوتا ہے کہ وہ کون سی طاقت ہے کہ جو اس سانس کو انسان کے جسم میں نتھنوں اور منہ کے ذریعے کس خوبی، حسن سلوک و کمال اور باقاعدگی (Regular) سے اندر باہر داخل اور خارج کرتی ہے انسان کو یہ پتہ بھی نہیں ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ یہ کمال مہربانی کون کررہا ہے، لیکن ایک عارف اور سالک کو اس سلوک (Process) کا علم ہے کہ سانس کو اندر باہر داخل اور خارج کرنے کے پیچھے کس عظیم الشان قدرت کا ہاتھ ہے۔ وہ چاہے تو باہر جانے والی سانس کو دوبارہ واپس آنے کی اجازت نہ دے اور اندر والی سانس کو باہر نہ جانے دے، انسان کی ہر سانس اندر آنے اور باہر جانے کے لئے ذات باری تعالیٰ جل شانہٗ کے اذن کی محتاج ہے۔ اس لئے صوفیاء اور عرفاء اپنی ہر سانس کو اللہ کے ذکر اور شکر سے مملو رکھتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر کیا ہے؟ اہل سلوک کے نزدیک اللہ کے سوا غیر کی یاد کو دل سے دور کرکے دل کی مکمل حضوری پورے انہماک اور توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یاد میں ڈوب جانے، اللہ سبحانہ کی یاد کے ساتھ جڑ جانے، اللہ کی معیت اور قرب کے لئے اللہ عزوجل کو اس یقین کے ساتھ پکارنے کی کیفیت کے انکشاف و حصول کو رب ذوالجلال ذاکر کو دیکھ رہا ہے ذکر کہتے ہیں۔

اکابرین سلف، اہل اللہ اور مشائخ سلوک وتصوف ہمہ وقت اپنے اصلاح احوال، تزکیہ وتصفیہ باطن میں مصروف رہتے تھے، اپنی انفرادی زندگی کے علاوہ اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی حالات پر بھی ان کی گہری نظر ہوتی تھی، وہ اپنے ملکی اور اردگرد کے معاشرتی، سماجی، اخلاقی، روحانی، اقتصادی اور معاشی حالات کے اثرات کی روشنی میں اپنے آپ اور متعلقین، متوسلین اور امت مسلمہ کے افراد کی روحانی، اخلاقی اور دینی اقدار کی حفاظت کا

سامان کرنے کے لئے تفکیر و تدبیر کرتے تھے، اپنے مریدوں کو حالات کے اثرات بد اور ان کے نتائج سے آگاہ کرتے اور دقت نظر سے ان کے رزق کی پاکیزگی، رزق کمانے کے ذرائع کا حلال و پاکیزہ اور جائز ہونے اور ماحول کے زیر اثر ان پر ابلیسی اثرات کا جائزہ لیتے تھے۔ ماضی میں مریدوں کے احوال سے مشائخ واقف رہنے کو اپنا خاص فریضہ سمجھتے تھے۔ وہ مریدوں کو اللہ عزوجل اور نبی مکرم ﷺ کی امانت سمجھ کر ان کی روحانی حفاظت کرتے تھے۔ اور اس قسم کے تمام اشتغال و اعمال کو معمولات تصوف میں شمار کرتے تھے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بعثت مبارکہ سے پہلے آمر شہنشاہوں اور نمرودی خاندان کے بادشاہوں کی قاہرانہ طرز حکمرانی کے بدترین اثرات نے انسانی معاشرہ کو اخلاقی اور روحانی طور پر تباہ کر دیا تھا، انبیاء، رسل اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبروں، اولیاء اور صالحین نے اپنے اپنے ادوار میں لوگوں کو اسلام پر چلنے کی بھرپور تلقین اور تبلیغ کی، لوگوں کو اسلامی طرز حیات اپنانے کی دعوت دی اور ان کی ایسی تربیت بھی کی کہ وہ صراط مستقیم پر رہیں۔ امت اور اپنے پیروکاروں کی اصلاح احوال کا فریضہ پیغمبرانہ اور مرشدانہ زندگی کا اہم ترین عمل تھا۔ ۔ لیکن بدقسمتی سے جس ملک کے حکمران اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے باغی، بدعمل، نافرماں اور سرکش ہوں، امراء اور حکومتی عمال عیاش، رشوت خور اور بدکار ہوں، تو "**الناس علی دین ملوکھم**" کے مصداق رعایا بھی بہت جلد انہی کے رنگ میں رنگ جاتی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور پیغمبرانہ ہدایت کو پس پشت ڈال کر عوام الناس بھی بدکار، سرکش اور باغی حکمرانوں کے احکامات کی پیروی کرتے ہوئے ایسی طرز زندگی اختیار کرنے کے خوگر ہوگئے کہ جس میں نہ احترام آدمیت، نہ تکریم انسانیت اور نہ ہی کسی فرد کی عزت نفس کا کوئی سامان تھا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات سے روگردانی، انبیاء کرام، رسولوں کی پیغمبروں کی نافرمانی، ان کی تضحیک، ان کی نصیحتوں کا مذاق اڑانا، ایذا رسانی ان کو مارنا اور شہید کرنا، اولیاء اللہ اور صالحین کو قتل کرنا سرکشی اور اپنی پسند کی زندگی گزارنے کی خواہش، بے راہ روی، فحاشی اور کھلم کھلا بے حیائی کے مظاہرے عام معمول بن گئے تھے۔

تاریخ عالم شاہد عادل ہے کہ اقوام وملل کی تباہی و بربادی کے اسباب میں سب سے بڑا سبب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پسندیدہ طرز حیات سے منہ موڑ کر انسانی خواہشات کے مطابق زندگی گزارنے کے طریقوں کو اپنانے کی روش کا ہوتا ہے۔ یہی کچھ ادوار سابقہ کے اقوام نے کیا اور وہ تباہی سے دوچار ہوتے چلے گئے۔